OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com

تنوع اور ہم آہنگی: ایک متوازن اور مثالی معاشرے کے لیے رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ سے کشید شدہ تعلیمات

Harmony amid Diversity: Lessons from the Life of Holy Prophet Muhammad Sallallahu Alyhi Wa Salam for a Balanced and Ideal Society

Dr. Hafiz Fazale Haq Haqqani
Lecturer, Department of Islamic & Arabic Studies, University of Swat
Email: fazlehaq498@gmail.com

Dr. Muhammad Noman (Corresponding Author)
Assistant Professor, Department of Islamic & Arabic Studies, University of Swat
Email: numanm964@gmail.com

Mr. Hasnain Amjad
Ph.D Scholar, Department of Islamic and Religious Studies, Hazara University Mansehra
Email: Hasnainamjad0345@gmail.com

Received on: 30-08-2025 Accepted on: 15-09-2025

Abstract

Allah has created differences among people in various ways. Men and women, young and old, rich and poor—all are integral parts of society. These differences are a reflection of Allah's infinite wisdom and serve a greater purpose. The functioning of the world relies on these variations, as people with diverse abilities contribute their unique services, ensuring the smooth continuation of life's systems. Islamic law not only acknowledges these differences among individuals but also clearly defines the responsibilities of each person .A wealthy man is obligated to pay zakat to needy. Similarly as men have been granted a degree of superiority over women in certain aspects due to their nature, they are also responsible to provide livelihood for women. A young man is expected to respect the elders while the elders supposed to show kindness toward the younger ones. In today's Muslim society these differences among people are often misused. A husband misuse his qualities to oppress his wife, while the wife, and humiliate him as well. An elderly person may consider his right to scold younger individuals, while children view the elderly as unnecessary members of society. A wealthy may look down on the poor, while the poor, do not refrain from causing harm to the property of the rich. How can a harmonious and loving life be lived amidst these differences? How can mutual respect and dignity are upheld in society. This research paper will delve into key incidents from the blessed life of Prophet Muhammad ﷺ, offering practical lessons that can simplify and enhance our current social lives.

Keywords: Differences, Responsibilities, Society, Respect, Prophet Muhammad ﷺ.

تعارف:

دین اسلام معاشرے میں بسنے والے افراد کو زندگی گزارنے کے اصولوں کی پابندی و پاسداری کا درس دیتا ہے۔ کیونکہ دو انسان جب اکھٹے رہتے ہیں تو عموما ان کے درمیان حقوق و فرائض کا مسئلہ پیش آتا ہے۔ کیونکہ انسان اس دنیا میں والدین کے ذریعے قدم رکھتا ہے۔ اسی لئے اللہ پاک نے جہاں اپنے حق کا ذکر کیا ہے وہاں دوسرے نمبر پر والدین کے حق کو بھی ملایا ہے۔ اللہ پاک کا اپنا حق یہ ہے کہ انسان اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائے اور اللہ پاک پر تو ویسے کسی کام کا استحقاق لازم نہیں البتہ اپنے فضل و کرم کی بناء پر اللہ پاک نے اپنے ذمہ یہ لازم کیا ہے کہ وہ انسان کو اس نیکی کا بدلہ دے گا، جیسا کہ حدیث قدسی میں فرمان نبوی ﷺ ہے.

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ، قَالَ: " أَرْبَعُ خِصَالٍ، وَاحِدَةٌ مِنْهُنَّ لِي، وَوَاحِدَةٌ لَكَ، وَوَاحِدَةٌ فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَكَ، وَوَاحِدَةٌ فِيمَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ عِبَادِي: فَأَمَّا الَّتِي لِي: يَعْبُدُنِي لَا يُشْرِكُ بِي شَيْئًا. وَأَمَّا الَّتِي لَكَ عَلَيَّ: فَمَا عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ جَزَيْتُكَ بِهِ. وَأَمَّا الَّتِي بَيْنِي وَبَيْنَكَ: فَمِنْكَ الدُّعَاءُ وَعَلَيَّ الْإِجَابَةُ. وَأَمَّا الَّتِي بَيْنَكَ وَبَيْنَ عِبَادِي: فَارْضَ لَهُمْ مَا تَرْضَى لِنَفْسِكَ [1]۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے منقول ایک بات بیان کی ": چار باتیں ہیں: ایک میرے لیے ہے، ایک تمہارے لیے، ایک میرے اور تمہارے درمیان، اور ایک تمہارے اور میرے بندوں کے درمیان۔

1. جو بات میرے لیے ہے: وہ یہ ہے کہ تم میری عبادت کرو اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔
2. جو بات تمہارے لیے ہے: وہ یہ ہے کہ تم جو بھی نیک کام کروگے، میں تمہیں اس کا بدلہ دوں گا۔
3. جو بات میرے اور تمہارے درمیان ہے: وہ یہ ہے کہ تم دعا کرو، اور میرا وعدہ ہے کہ میں قبول کروں گا۔
4. جو بات تمہارے اور میرے بندوں کے درمیان ہے: وہ یہ ہے کہ تم ان کے لیے وہی پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔"

اس حدیث میں اللہ پاک نے محمد ﷺ کے ذمہ اپنے حق اور اپنے ذمہ ان کے حق کا ذکر کیا ہے۔

چنانچہ والدین کے ساتھ حسن سلوک قرآن کریم کی متعدد آیات سے ثابت ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعۡبُدُوٓاْ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلۡوَٰلِدَيۡنِ إِحۡسَٰنًاۚ [2]

پھر اللہ پاک نے نہ صرف والدین کا حق اولاد پر لازم کیا ہے، بلکہ پیدائش سے لیکر بلوغت تک قدم بہ قدم اللہ پاک نے بچوں کا حق والدین پر بھی مقرر کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارًا [3]

اسی طرح یہ دو انسان جو دنیا میں آنے والے انسانوں کیلئے والدین کا درجہ رکھتے ہیں آپس میں میاں بیوی کہلاتے ہیں۔ ان کے بھی آپس میں حقوق و فرائض ہوتے ہیں۔ فرض خود ادا کرنا ہوتا ہے اور حق دوسروں سے لیا جاتا ہے۔ یہاں ایک بات کا ذکر کرنا ضروری ہے، وہ یہ کہ

فطری طور پر انسان بخیل اور فقیر واقع ہوا ہے۔وہ دینے کی بجائے لینے کو ترجیح دیتا ہے۔ گویا ہر انسان اپنا فرض پورا کرنے کی بجائے اپنا حق لینے کا خواہشمند ہوتا ہے۔

دراصل دنیا میں دو انسانوں میں ایک کے ذمہ دوسرے کا حق ہوتا ہے تو دوسرے کے ذمہ پہلے کا حق ہوا کرتا ہے۔ باالفاظ دیگر ہر بندے کے ذمہ ایک فرض اور ایک حق ہوا کرتا ہے۔

اس سلسلے میں اگر دیکھا جائے تو اللہ پاک نے ایک ایسا اصول مقرر کیا ہے کہ اس پر عمل کرنے سے یہ مسئلہ حل ہو جائے گا اور دنیاوی زندگی یقیناً جنت کا نمونہ پیش کرے گی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے جہاں بھی حقوق اور فرائض کی بات کی ہے وہاں انسان پر لازم دوسرے کا حق ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

1-وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ[4]

2-وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ[5]

اللہ پاک نے ہر انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اپنے اوپر لازم دوسرے کا حق ادا کرے۔ اور جو دوسرے پر لازم اس کا حق ہے اس کا مطالبہ نہ کرے۔ نتیجہ کیا ہو گا؟ نتیجہ یہ ہو گا کہ ہر شخص جب دوسرے کا حق دے گا تو تمام لوگوں کو ان کے حقوق مل جائیں گے۔ کوئی بھی محروم نہیں رہے گا۔ سوچنے کا انداز بدل جائے گا۔ جیسے شوہر اپنی بیوی کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرے۔ دوسری طرف بیوی اپنے شوہر کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرے تو نتیجتاً دونوں نے اپنے اوپر لازم فرض بھی ادا کیا اور دونوں کو حقوق بھی مل گئے۔

چنانچہ ملنے کو تو، دونوں کو حقوق مل گئے، البتہ صرف تقدیم و تاخیر کی بات ہے۔ ہر کسی نے دوسرے سے اپنا حق بعد میں لیا، پہلے اس کا حق ادا کر دیا پھر اپنا حق لیا۔ مآل کار دونوں کو ان کے حقوق مل گئے۔

ہمارے معاشرے کیلئے اس میں بہترین سبق ہے کیونکہ ہمارے ہاں گنگا الٹا بہہ رہا ہے۔ زندگی کا ہر شعبہ حیات اپنے حقوق کے لئے احتجاج کرتا اور آواز اٹھاتا نظر آتا ہے۔ وکیل حضرات حقوق وکلاء، اساتذہ کرام حقوق اساتذہ اور عورتیں حقوق نسواں کے عنوان سے میدان میں ہیں۔ اب یہ تمام دینے کی بجائے لینے پر تلے ہوئے ہیں اور دینے والا کوئی نہیں ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ سارے کیوں اس پر مجبور ہوئے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ چونکہ جن کے ذمہ ان کے حقوق لازم ہیں وہ ظالم واقع ہوئے ہیں۔ اگر وہ قرآن کریم کے اس اصول پر عمل پیرا ہوتے تو ان احتجاجات کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

اس مقالہ میں آپ ﷺ کی حیات طیبہ سے ماخوذ ان اچھوتے اور نایاب واقعات کو سامنے لانے کی کوشش کی جائے گی، جن میں آپ ﷺ معاشرے کے ایک فرد کی حیثیت سے بہترین عملی نمونہ بن کر سامنے آتے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے آپ ﷺ چھوٹے بچوں اور اپنے شاگردوں کے ساتھ کیا حسن سلوک کرتے تھے؟ اسکا جائزہ لیا جائے گا۔

بچوں اور چھوٹوں کے ساتھ حسن سلوک: سیرت نبوی ﷺ

عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ آپ ﷺ نماز میں حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لائے، اور دوران نماز سجدہ لمبا کر دیا۔ عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک بچہ آپ ﷺ کی پشت مبارک پر ہے۔ میں دوبارہ سجدے میں چلا گیا۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ سے صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ: ہمیں تو آپ کا سجدہ لمبا کرنے پر ایسا لگا جیسا کہ کوئی نیا حکم آیا ہو یا وحی اتر رہی ہو۔ آپ ﷺ نے جواب دیا۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی، البتہ میرا بیٹا میری پشت پر چڑھ گیا تو میں نے سجدہ لمبا کیا تاکہ وہ لطف اندوز ہو سکے۔

مسند احمد میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِحْدَى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ - الظُّهْرِ أَوِ الْعَصْرِ - وَهُوَ حَامِلُ الحَسَنِ أَوْ الْحُسَيْنِ فَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَهُ....فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ، قَالَ النَّاسُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّكَ سَجَدْتَ بَيْنَ ظَهْرَيِ الصَّلَاةِ سَجْدَةً أَطَلْتَهَا، حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ قَدْ حَدَثَ أَمْرٌ، أَوْ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْكَ؟ قَالَ: «كُلُّ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ، وَلَكِنَّ ابْنِي ارْتَحَلَنِي، فَكَرِهْتُ أَنْ أُعَجِّلَهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ [6]

غور کرنے کی بات ہے ایک آقائے دو جہاں ﷺ بہ نفس نفیس باجماعت نماز جیسی عبادت میں حالت سجدہ کے اندر بچے کا اتنا زیادہ خیال رکھ رہے ہیں۔

آج ہمارے معاشرے میں بچے مسجد میں بات بھی کریں تو ہم آگ بگولہ ہوتے ہیں۔ اور بچوں کو برا بھلا کہنے کے ساتھ دو چار تھپڑ بھی رسید کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بچے مسجد سے دور ہو جاتے ہیں۔

بچوں (حضرت حسنؓ) کے ساتھ پیار کرتے ور ان کا بوسہ لیتے ہوئے ایک قبائلی سردار اقرع بن حابسؓ نے آپ ﷺ سے کہا: یا رسول اللہ میرے دس بچے ہیں لیکن میں نے کبھی ان کا بوسہ نہیں لیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ حدیث درج ذیل ہے:

أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَبَّلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ وَعِنْدَهُ الأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ التَّمِيمِيُّ جَالِسًا، ..... ثُمَّ قَالَ: «مَنْ لاَ يَرْحَمُ لاَ يُرْحَمُ»[7]

اسی طرح دوسرے موقع پر ایک دیہاتی نے اس پر حیرت کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہارے دل سے اللہ پاک نے تمہارے دل سے رحم نکال دیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟

عَنْ عَائِشَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: تُقَبِّلُونَ الصِّبْيَانَ؟ فَمَا نُقَبِّلُهُمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَوَأَمْلِكُ لَكَ أَنْ نَزَعَ اللَّهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ»[8]

اسی طرح اپنی نواسی امامہؓ کو اپنے ساتھ مسجد لے آتے، جب سجدے میں جاتے تو اسے نیچے رکھ لیتی اور قیام فرماتے تو پھر اٹھا لیتے تھے۔

حَدَّثَنَا أَبُو قَتَادَةَ، قَالَ: «خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأُمَامَةُ بِنْتُ أَبِي العَاصِ عَلَى عَاتِقِهِ، فَصَلَّى، فَإِذَا رَكَعَ وَضَعَ، وَإِذَا رَفَعَ رَفَعَهَا»[9]

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان احادیث کی روشنی میں تو اپنے بچوں سے پیار کیا ہے، کیا دوسروں کے بچوں سے بھی کبھی آپ ﷺ نے پیار و محبت کی ہے؟ آئے اس حوالے سے بھی ذخیرہ احادیث میں تلاش کرتے ہیں۔

ابو موسی اشعریؓ فرماتے ہیں۔ میرے گھر بچہ پیدا ہوا تو میں آپ ﷺ کے پاس چلا گیا۔ آپ ﷺ نے ان کا نام ابراہیم رکھا، کھجور سے اس کی گھٹی فرمائی اور برکت کیلئے دعا فرمائی۔ ایک دفعہ آپ نے ایک بچے کو گود میں اٹھالیا، بچے نے کپڑے پر پیشاب کر دیا، آپ نے اس پر پانی بہا کر صاف کر لیا

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتَى بِالصِّبْيَانِ فَيُبَرِّكُ عَلَيْهِمْ وَيُحَنِّكُهُمْ، فَأُتِيَ بِصَبِيٍّ فَبَالَ عَلَيْهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ، فَأَتْبَعَهُ بَوْلَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ- ایک روایت میں ہے۔

أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِيٍّ يَرْضَعُ فَبَالَ فِي حَجْرِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهُ عَلَيْهِ[10]

دودھ پیتے بچے اور بچی کے پیشاب کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف احادیث صحیح سندوں سے منقول ہیں۔ چنانچہ امام ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔قال: إنما يُغسَلُ من بَولِ الأُنثى، ويُنضَحُ مِن بَولِ الذَّكَر[11]۔

اسی طرح اور کئی احادیث ہیں، جن میں سے بعض میں بچے کے پیشاب پر پانی انڈیلنے کا حکم ہے، اور بعض میں صرف پانی چھڑک دینے کا بیان ہے، امام ابو حنیفہ اور ان کے پیروکار ان دونوں روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ بچے کے پیشاب کو ہلکے دھونے (غسلِ خفیف) سے پاک کرنا کافی ہے، جبکہ بچی کے پیشاب کو اچھی طرح دھونا ضروری ہے۔ اس فرق کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بچی کا پیشاب نکلنے کی جگہ کھلی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ زیادہ پھیلتا ہے اور صاف کرنے میں زیادہ محنت درکار ہوتی ہے، جبکہ بچے کا مخرج تنگ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے پیشاب زیادہ نہیں پھیلتا، اس لیے اس پر صرف پانی بہا دینا یا ہلکا دھونا کافی ہوتا ہے.

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی اس قسم کی تمام روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فثبت بهذه الآثار أن حكم بول الغلام هو الغسل، إلا أن ذلك الغسل، يجزئ منه الصب، وأن حكم بول الجارية هو الغسل أيضا. وفرق في اللفظ بينهما وإن كانا مستويين في المعنى؛ للعلة التي ذكرنا، من ضيق المخرج وسعته[12]

ان آثار و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کے پیشاب کو دھونا ضروری ہے، لیکن اسے پاک کرنے کے لیے صرف پانی بہا دینا کافی ہے، جبکہ بچی کے پیشاب کو بھی دھونا لازم ہے۔ اگرچہ دونوں کا حکم ایک ہی ہے، مگر روایات میں جو فرق بیان کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کا مخرج تنگ ہوتا ہے جبکہ بچی کا مخرج کشادہ، جس کی وجہ سے پیشاب کے پھیلنے میں فرق آتا ہے۔

اسی طرح دوران نماز کسی بچے کے رونے کی آ ﷺ از سنتے تو آپ ﷺ نماز میں تخفیف فرماتے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث میں موجود ہے:

عَنْ أَبِيهِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنِّي لَأَقُومُ فِي الصَّلاَةِ أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ، فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلاَتِي كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ»[13]

حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا جس کا نام ابو عمیر تھا۔ اس کے پاس ایک چڑیا تھی۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور ابو عمیر سے فرمایا:

أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَالِطُنَا، حَتَّى كَانَ يَقُولُ لأَخٍ لِي صَغِيرٍ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ، قَالَ: وَنُضِحَ بِسَاطٌ لَنَا فَصَلَّى عَلَيْهِ[14].

بچوں کے حقوق اور سیرت نبوی ﷺ

معاصر دنیا میں پائے جانے والے بیشتر تنازعات کی بنیادی وجہ حقوق کی عدم ادائیگی ہے؛ ہر فرد اپنے حقوق کے حصول کا خواہاں ہے، مگر دوسروں کے حقوق کی ادائیگی میں کم ہی دل چسپی ظاہر کرتا ہے۔ تعلیماتِ نبویہ میں اس رویّے کی صراحت کے ساتھ اصلاح کی گئی ہے، جہاں نہ صرف اکابر کے حقوق کی پاسداری پر زور دیا گیا بلکہ اصاغر کے حقوق کو بھی غیر معمولی اہمیت دی گئی۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے عملاً یہ واضح فرمایا کہ معاشرتی توازن اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب ہر فرد کے حقوق کو بلا امتیاز ادا کیا جائے۔

حضرت سہل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک موقع پر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں مشروب پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اس میں سے نوش فرمایا، پھر ملاحظہ کیا کہ آپ کے دائیں جانب ایک کم سن لڑکا اور بائیں جانب جلیل القدر صحابہؓ موجود ہیں۔ آپ ﷺ نے اس لڑکے سے اجازت طلب فرمائی کہ اگر وہ اجازت دے تو یہ مشروب بزرگوں کو پیش کر دیا جائے۔ اس پر لڑکے نے عرض کیا کہ وہ اپنے حق کو، جو اسے آپ ﷺ کی نسبت سے حاصل ہے، کسی اور کے لیے ترک نہیں کر سکتا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے حق کو برقرار رکھتے ہوئے پیالہ اسی کے حوالے فرما دیا، جیسا کہ متعلقہ حدیث میں مذکور ہے۔۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: أُتِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحٍ، فَشَرِبَ، وَعَنْ يَمِينِهِ غُلاَمٌ هُوَ أَحْدَثُ القَوْمِ وَالأَشْيَاخُ عَنْ يَسَارِهِ، قَالَ: «يَا غُلاَمُ أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أُعْطِيَ الأَشْيَاخَ»، فَقَالَ: مَا كُنْتُ لِأُوثِرَ بِنَصِيبِي مِنْكَ أَحَدًا يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ[15]

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بچوں کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام ہو، بچوں کے حقوق معلوم کر کے انھیں ادا کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔

اب یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو آپ ﷺ نے اپنے اور اپنے پیارے صحابہ کرام کے بچوں کے ساتھ تو پیار کا اظہار فرمایا۔ کیا کبھی آپ ﷺ نے کفار کے بچوں کی بھی خیریت دریافت فرمائی؟

ہم مسلمان بچوں کے ساتھ تو کسی حد تک نرمی برت لیتے ہیں، لیکن کفار کے بچوں کے ساتھ ہمارا رویہ بعض اوقات انتہائی سخت ہوتا ہے، یہاں تک کہ ان کی طرف توجہ دینا بھی ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ اس کے برعکس، نبی کریم ﷺ کا طرزِ عمل رحمت و شفقت سے بھرپور تھا، یہاں تک کہ غیر مسلم بچوں کے ساتھ بھی نرمی اور محبت کی تلقین فرمائی۔

ایک واقعہ میں ایک یہودی شخص کا بیٹا آپ ﷺ کی خدمت میں رہتا تھا، وہ بیمار ہو گیا تو آپ ﷺ خود اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھے۔ پھر نرمی سے اس سے فرمایا: "اسلام قبول کر لو۔" بچے نے اپنے والد کی طرف دیکھا تو والد نے بھی کہا: "ابو القاسم ﷺ کی بات مان لو۔" چنانچہ وہ بچہ مسلمان ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ یہ کہتے ہوئے وہاں سے نکلے " : تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اسے آگ سے بچا لیا۔ "

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: كَانَ غُلاَمٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَرِضَ، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُهُ، فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ، -------فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُولُ: «الحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ[16]»

یہ حدیث ہمیں سکھاتی ہے کہ ہر بچے کے ساتھ شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرنا چاہیے، چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔

لڑکیوں کے ساتھ خصوصی حسن سلوک اور سیرت نبوی ﷺ

عہدِ جاہلیت میں عرب معاشرہ بیٹی کی ولادت کو موجبِ عار سمجھتا اور اسے بوجھ گردانتا تھا۔ تاہم رسولِ اکرم ﷺ نے اس تصور کی اصلاح کرتے ہوئے بچیوں کے حقوق کی صیانت فرمائی، ان کے وقار کو اجاگر کیا اور ان کی حسنِ تربیت و پرورش کی تاکید کی۔ نیز والدین کو بیٹیوں کی کفالت اور ان پر انفاق کی ترغیب دی۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے دو لڑکیوں کی بالغ ہونے تک پرورش کی، قیامت کے دن میں اور وہ ساتھ ہوں گے [17]

یہ حدیث اس امر کی دلالت کرتی ہے کہ بنات کی پرورش اور ان کے ساتھ حسنِ معاملہ نہ صرف دنیوی برکت کا موجب ہے بلکہ اخروی اجرِ عظیم کا بھی ذریعہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے قول و عمل سے معاشرے کے کمزور طبقے، خصوصاً اطفال، کے ساتھ غیر معمولی شفقت کے نمونے قائم فرمائے اور امت کو ان کی نگہداشت و حقوق کی ادائیگی کی تاکید کی، کیونکہ یہی نسلِ نو مستقبل کا سرمایہ ہے۔

بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک، ان کی صحیح تربیت اور پرورش ایک روشن اور کامیاب مستقبل کی ضمانت ہے۔ اگر ابتدائی مراحل میں ان سے لاپرواہی برتی جائے یا ان کے ساتھ زیادتی کی جائے تو یہ انہیں غلط راہوں پر ڈال سکتی ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشرے میں بچوں پر ہونے والے ظلم و زیادتی کا خاتمہ کیا جائے اور سیرتِ طیبہ کی روشنی میں ان کے حقوق کی ادائیگی کو یقینی بنایا جائے۔

آپ ﷺ کا حسن مزاح

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسولِ اکرم ﷺ سے سواری کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس سے کیا فائدہ اٹھاؤں گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر اونٹ دراصل اونٹنی ہی کا بچہ ہوتا ہے۔ یہ مفہوم درجِ ذیل حدیث میں مذکور ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَجُلًا اسْتَحْمَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «إِنِّي حَامِلُكَ عَلَى وَلَدِ النَّاقَةِ» ......«وَهَلْ تَلِدُ الإِبِلَ إِلَّا النُّوقُ[18]؟»

اس حدیث پاک سے مبنی بر حقیقت دل لگی کا سبق ملتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں۔

روایت ہے کہ ایک معمر خاتون رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں: یارسول اللہ! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرمادے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت میں کوئی بوڑھی عورت داخل نہ ہوگی۔ یہ سن کر وہ رنجیدہ ہو کر واپس ہونے لگیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انہیں بتادیا جائے کہ جنت میں کوئی عورت بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوگی؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کو نئی خلقت میں پیدا فرمائے گا، انہیں دوشیزہ بنائے گا، جو محبت کرنے والیاں اور ہم عمر ہوں گی۔ یہ مفہوم احادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے۔

دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَعِنْدِي عَجُوزٌ مِنْ بَنِي عَامِرٍ، فَقَالَ: مَنْ هَذِهِ الْعَجُوزُ؟ " , فَقُلْتُ: مِنْ خَالَاتِي، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، ادْعُ اللهَ أَنْ يُدْخِلَنِي الْجَنَّةَ، فَقَالَ: ......وَهِيَ عَجُوزٌ، إِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ: {إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً , فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا , عُرُبًا أَتْرَابًا}[19]

اس حدیث پاک سے بھی مبنی بر حقیقت دل لگی کا سبق ملتا ہے۔

اسی طرح ایک دیہاتی کے ساتھ آپ ﷺ کی دل لگی تو بہت ہی خوب صورت مزاح کی مثال ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه قَالَ: كَانَ رَجَلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ اسْمُهُ زَاهِرٌ يُهْدِي لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الْهَدِيَّةَ مِنَ الْبَادِيَةِ، .... وَكَانَ رَجُلًا دَمِيمًا- فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِذًا وَاللهِ تَجِدُنِي كَاسِدًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " لَكِنْ أَنْتَ عِنْدَ اللهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ ")[20]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ایک اعرابی، زاہر نامی، دیہات سے رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں تحائف لایا کرتا تھا، اور واپسی پر آپ ﷺ اسے زادِ راہ عطا فرماتے۔ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا: ''زاہر ہمارا دیہاتی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں۔'' وہ آپ ﷺ سے بے حد محبت رکھتا تھا۔ ایک

موقع پر آپ ﷺ بازار میں اس کے پاس تشریف لائے اور ازراہِ محبت پیچھے سے اسے آغوش میں لے لیا، جبکہ وہ آپ ﷺ کو پہچان نہ سکا۔ جب اس نے مڑ کر دیکھا اور آپ ﷺ کو پہچانا تو مسرت سے مزید قریب ہو گیا۔

اس موقع پر آپ ﷺ نے مزاحاً فرمایا: "کون ہے جو اس غلام کو خریدے؟" حالانکہ زاہر ظاہری اعتبار سے جاذبِ نظر نہ تھا۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر تو آپ مجھے کم قیمت پائیں گے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ کے نزدیک تم ہرگز بے وقعت نہیں، بلکہ بہت قدر و منزلت رکھتے ہو۔"

یہ واقعہ آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق، تواضع اور شفقت کا روشن نمونہ ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ عند اللہ انسان کی قدر اس کے ایمان و عمل سے ہے، نہ کہ صورت و ہیئت سے۔ لفظ "عبد" یہاں بطورِ مزاح استعمال ہوا، جس سے مراد بندۂ خدا ہونا ہے، اور اسی کے ذریعے آپ ﷺ نے اس کی دلجوئی فرمائی۔ یہ طرزِ عمل اس امر کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کمزور یا کمتر سمجھے جانے والے افراد کی دل آزاری کے بجائے ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے تاکہ احساسِ کمتری پیدا نہ ہو۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه قَالَ: " رُبَّمَا قَالَ لِيَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: يَا ذَا الْأُذُنَيْنِ " قَالَ أَبُو أُسَامَةَ: يَعْنِي " يُمَازِحُهُ[21]

انس بیان کرتے ہیں: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے دو کانوں والے۔

یہی وہ صحابی ہیں جنہوں نے دس سال تک آپ ﷺ کی خدمت کی۔ آپ ﷺ نے کبھی ان سے یہ نہیں کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا؟ یا یہ کام تم نے کیوں نہیں کیا؟[22]

اس میں اس بات کا خیال لازمی ہے کہ مذاق میں شریعت کے احکامات کی پابندی لازم ہے۔ جیسے ایک صحابی قصہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے علقمہ بن مجزّز کو ایک لشکر کا امیر مقرر فرمایا، اور میں بھی اس میں شامل تھا۔ سفر کے دوران بعض افراد نے واپسی کی اجازت طلب کی تو انہوں نے اجازت دیتے ہوئے ان پر عبد اللہ بن حذافہ کو امیر مقرر کیا۔ راستے میں آگ جلائی گئی تو عبد اللہ بن حذافہ نے ازراہِ مزاح کہا: کیا تم پر میری اطاعت لازم نہیں؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ اس پر انہوں نے کہا: میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ اس آگ میں داخل ہو جاؤ۔ بعض افراد آمادہ ہو گئے تو انہوں نے انہیں روک کر کہا کہ یہ محض مزاح تھا۔

مدینہ واپس آکر جب یہ واقعہ رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس نے تمہیں اللہ کی معصیت کا حکم دیا، اس کی اطاعت نہ کرو۔" اس سے واضح ہوتا ہے کہ مزاح کی حالت میں بھی حدودِ شریعت کی پابندی ضروری ہے۔

حدیث ذیل میں ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ عَلْقَمَةَ بْنَ مُجَزِّزٍ عَلَى بَعْثٍ، وَأَنَا فِيهِمْ، فَلَمَّا انْتَهَى إِلَى رَأْسِ غَزَاتِهِ، أَوْ كَانَ بِبَعْضِ الطَّرِيقِ، ..... فَإِنَّمَا كُنْتُ أَمْزَحُ مَعَكُمْ، فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَكَرُوا ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ أَمَرَكُمْ مِنْهُمْ بِمَعْصِيَةِ اللَّهِ، فَلَا تُطِيعُوهُ»[23]

رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمایا کہ مذاق میں بھی کسی کی حق تلفی اور نقصان نہ کیا جائے' حدیث پاک میں ہے:"تم میں سے کوئی شخص اپنے کسی بھائی کا سامان نہ تو مذاق میں لے اور نہ سنجیدگی میں"

قَالَ: حَدَّثَنَا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُمْ كَانُوا يَسِيرُونَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ، فَانْطَلَقَ بَعْضُهُمْ إِلَى حَبْلٍ مَعَهُ فَأَخَذَهُ، فَفَزِعَ، ... «لَا يَأْخُذَنَّ أَحَدُكُمْ مَتَاعَ أَخِيهِ لَاعِبًا، وَلَا جَادًّا» وَقَالَ سُلَيْمَانُ: «لَعِبًا وَلَا جِدًّا» وَمَنْ أَخَذَ عَصَا أَخِيهِ فَلْيَرُدَّهَا[24] .

عموماً ہمارے مزاح میں جھوٹ کی آمیزش پائی جاتی ہے، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے سنجیدگی اور مزاح دونوں حالتوں میں جھوٹ سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ بندہ اس وقت تک کامل ایمان کو نہیں پہنچتا جب تک وہ مذاق میں بھی جھوٹ ترک نہ کرے، اگرچہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو، اور جھگڑے سے بھی اجتناب کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹی بات کرتا ہے' اس پر افسوس ہے"

وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ، وَيْلٌ لَهُ وَيْلٌ لَهُ[25]

جبکہ ہمارے ہاں سال میں ایک دن لوگوں کو بے وقوف بنانے کا منایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مکروہ کام جھوٹ کے بغیر آسان نہیں ہوتا۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر وہ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جبکہ آپ ﷺ چمڑے کے خیمے میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے سلام عرض کیا، آپ ﷺ نے جواب دیا اور اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا مکمل طور پر داخل ہو جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، پورے داخل ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ اندر حاضر ہو گئے۔

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ، قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ وَهُوَ فِي قُبَّةٍ مِنْ أَدَمٍ، فَسَلَّمْتُ فَرَدَّ وَقَالَ: «ادْخُلْ» فَقُلْتُ: أَكُلِّي يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «كُلُّكَ» فَدَخَلْتُ[26]

بدیہی طور پر انسان گھر یا خیمے میں داخل ہوتا ہے تو مکمل طور پر ہی داخل ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حدودِ ادب کے اندر رہتے ہوئے صحابۂ کرام کو خوش طبعی کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

حاصل یہ کہ مزاح اور ہزل و استہزاء میں واضح فرق ہے؛ مزاح کا مقصد دل لگی اور خوش طبعی ہوتا ہے، جبکہ ہزل اور استہزاء میں دوسروں کی تحقیر و اہانت مقصود ہوتی ہے۔

بڑوں کے ساتھ حسن سلوک اور سیرت نبوی:

یہ نظام قدرت ہے کہ انسان بشرط زندگی بچپن، لڑکپن اور جوانی کی بہاریں دیکھنے کے بعد بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ نُّعَمِّرْہ نُنَکِّسه فِی الْخَلْق اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ[27].

اور ہم جسے طویل عمر دیتے ہیں اسے قوت وطبیعت میں واپس (بچپن یا کمزوری کی طرف) پلٹا دیتے ہیں، پھر کیا وہ عقل نہیں رکھتے۔

بڑھاپے میں انسان جسمانی کمزوری اور ناتوانی کے باعث بچوں جیسی محتاجی کی کیفیت میں آجاتا ہے؛ جو کل تک دوسروں کے سہارا تھے، وہ آج خود توجہ اور مدد کے محتاج بن جاتے ہیں۔ ایسے میں لازم ہے کہ انہیں تنہا نہ چھوڑا جائے بلکہ ان کی کفالت اور دلجوئی کی جائے۔ معمولی سی محبت اور توجہ بھی ان کی زندگی میں آسانی اور سکون پیدا کر سکتی ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم اجر مترتب ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بزرگوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کے احترام کی خصوصی تاکید فرمائی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما أكرم شاب شيخا لسنه إلا قيض الله له من يكرمه عند سنه[28].

"جو جوان کسی بوڑھے کی عمر رسیدگی کے باعث اس کی عزت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس جوان کے لیے کسی کو مقرر فرما دیتا ہے جو اس کے بڑھاپے میں اس کی عزت کرے گا۔"

اسلام ایک جامع اور آفاقی دین ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں اور ضروریات کا مکمل احاطہ کرتا ہے۔ انسانی حقوق کے احترام اور ان کی ادائیگی کی جو تاکید اسلام میں ملتی ہے، وہ دیگر مذاہب میں کم ہی نظر آتی ہے۔ بالخصوص معمر افراد کے حقوق کے باب میں اسلام نہ صرف عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے بلکہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک، احسان اور محبت کو بھی لازم قرار دیتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق بزرگوں کی خدمت اور ان کی عزت وتکریم باعثِ خیر وبرکت ہے۔ سیرتِ نبوی ﷺ کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بزرگوں کا بے حد احترام فرمایا کرتے تھے۔ اس کی ایک مثال فتح مکہ کے بعد اس وقت ملتی ہے جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد کو اسلام قبول کرنے کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، تو آپ ﷺ نے ان کی توقیر وتکریم فرماتے ہوئے ایسا اسلوب اختیار کیا جو بزرگوں کے احترام ومقام کو نمایاں کرتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خَرَجَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَتَّى جَاءَ بِأَبِيهِ يَقُودُهُ، فَلَمَّا رَآهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «هَلَّا تَرَكْتَ الشَّيْخَ فِي بَيْتِهِ حَتَّى أَجِيئَهُ» فَقَالَ: يَمْشِي هُوَ إِلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَحَقُّ مِنْ أَنْ تَمْشِيَ إِلَيْهِ، فَأَجْلَسَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ، ثُمَّ مَسَحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدْرَهُ، وَقَالَ: «أَسْلِمْ تَسْلَمْ» فَأَسْلَمَ[29]

”میں اپنے والد محترم حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں لایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آپ اپنے والدِ بزرگوار کو گھر میں ہی رکھتے، میں خود وہاں آجاتا۔“

یہ واقعہ معمر افراد کی عملی قدر و منزلت کا نہایت روشن نمونہ ہے، جسے رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی سیرتِ طیبہ میں نمایاں فرمایا۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کی توقیر و احترام میں ان کے سابقہ حالات کو نظر انداز فرمایا اور ان کی عزت افزائی کو مقدم رکھا۔ عموماً لوگ ماضی کے اختلافات کی بنا پر دوسروں کے احترام میں کمی کر دیتے ہیں، تاہم آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے واضح ہوتا ہے کہ عمر رسیدہ افراد کی توقیر ہر حال میں لازم ہے۔

آپ ﷺ نے بزرگوں کے احترام کو نہایت بلند مقام عطا فرمایا، جس سے ان کی عزت و تکریم کی اہمیت اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجِلُّ الْعَبَّاسَ إِجْلَالَ الْوَلَدِ وَالِدَهُ خَاصَّةً خَصَّ اللَّهُ الْعَبَّاسَ بِهَا مِنْ بَيْنِ النَّاسِ[30]۔

رسولِ اکرم ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا اس انداز سے احترام فرمایا کرتے تھے جیسے ایک فرزند اپنے والد کا ادب کرتا ہے۔ یہ ان خصائص میں سے تھا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں خاص فضیلت کے ساتھ عطا فرمائے۔

نبی کریم ﷺ کی بزرگوں کے ساتھ شفقت و رعایت کی ایک واضح مثال یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ جماعت کی امامت کے دوران معمر اور کمزور افراد کی رعایت فرماتے ہوئے قراءت میں تخفیف کی تاکید فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ اس واقعے کی روایت بیان کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الأَنْصَارِيِّ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ، لاَ أَكَادُ أُدْرِكُ الصَّلاَةَ مِمَّا يُطَوِّلُ بِنَا فُلاَنٌ، فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْ يَوْمِئِذٍ، فَقَالَ: «أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّكُمْ مُنَفِّرُونَ، فَمَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ المَرِيضَ، وَالضَّعِيفَ، وَذَا الحَاجَةِ[31]»

یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے معمر افراد کے خصوصی خیال کو ہر معاملے میں مقدم رکھا۔ آپ ﷺ نے نماز کی امامت میں اس بات کی تاکید فرمائی کہ قراءت میں تخفیف کی جائے تاکہ جماعت میں موجود کمزور، بوڑھے اور حاجت مند افراد کے لیے آسانی ہو۔ اس پر ایک صحابی کے شکوے کے موقع پر آپ ﷺ کو شدید ناگواری ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ بعض لوگ لوگوں کو دین سے دور کرنے والے بن جاتے ہیں، لہٰذا امام کو چاہیے کہ نماز کو ہلکا رکھے۔

اسی طرح ایک اور موقع پر مشروب پیش کرنے کے معاملے میں بھی آپ ﷺ نے بزرگوں کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترتیب میں ان کو مقدم فرمایا اور بچوں سے بھی اجازت طلب فرمائی، جو اس بات کی علامت ہے کہ اسلام میں بڑوں کی توقیر بنیادی اصول ہے۔

مزید برآں مختلف سماجی و معاشرتی معاملات میں بھی نبی کریم ﷺ نے بزرگوں کے ادب و احترام کی تعلیم دی۔ جیسے حضرت عبد اللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود کے واقعے میں جب وہ خیبر گئے اور بعد ازاں ایک مقدمہ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو گفتگو کا آغاز عمر میں چھوٹے صحابی نے کیا، جو اس بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ دینی و معاشرتی آداب میں بڑوں کے احترام کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا جائے۔

اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، وَسَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةَ بْنَ مَسْعُودٍ أَتَيَا خَيْبَرَ، فَتَفَرَّقَا فِي النَّخْلِ،.... فَبَدَأَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ، وَكَانَ أَصْغَرَ القَوْمِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَبِّرِ الكُبْرَ[32]

"بڑے کے مرتبے اور عزت کا خیال رکھو۔"

مندرجہ بالا احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ہر موقع پر بزرگوں کی تکریم کو ملحوظ رکھا اور ان کی عزت و احترام کو ایک بنیادی انسانی قدر کے طور پر پیش فرمایا۔ آپ ﷺ نے کسی بھی رشتہ داری یا سماجی حیثیت سے بالاتر ہو کر ہر معمر فرد کی تعظیم کی اور انہیں معاشرت میں بلند مقام عطا کیا۔

آپ ﷺ کی تعلیمات زندگی کے تمام پہلوؤں—معاشی، معاشرتی اور اخلاقی حقوق—کی جامع رہنمائی فراہم کرتی ہیں، اور خاص طور پر بزرگوں کے احترام، ان کی خدمت اور انہیں باعثِ برکت و رحمت سمجھنے پر زور دیتی ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: "إِذَا بَلَغَ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ أَرْبَعِينَ سَنَةً، آمَنَهُ اللهُ مِنْ أَنْوَاعِ الْبَلَايَا..... تَقَبَّلَ اللهُ مِنْهُ حَسَنَاتِهِ وَمَحَا عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ، وَإِذَا بَلَغَ التِّسْعِينَ، غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ وَسُمِّيَ أَسِيرَ اللهِ فِي الْأَرْضِ وَشُفِّعَ فِي أَهْلِهِ[33]

روایات میں یہ مضمون منقول ہے کہ جب مسلمان چالیس سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر خصوصی فضل فرماتا ہے اور بعض بڑی بیماریوں جیسے جنون، جذام اور برص سے حفاظت عطا کرتا ہے۔ پچاس سال کی عمر میں اس کے حساب میں نرمی کا ذکر آتا ہے، جبکہ ساٹھ سال کی عمر میں اسے اللہ کی طرف رجوع اور قربِ الٰہی کی توفیق ملتی ہے۔

ستر سال کی عمر میں اس کے لیے آسمان والوں کی محبت کا بیان ملتا ہے، اسی طرح اسی سال کی عمر میں اس کی نیکیوں کے محفوظ رہنے اور خطاؤں کے مٹائے جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ نوے سال کی عمر میں پہنچنے پر اس کے گناہوں کی مغفرت، اہلِ خانہ کے حق میں شفاعت کی اجازت، اور اللہ کے ہاں اس کے خاص مقام کا تذکرہ ملتا ہے۔

یہ تمام مراحل اللہ کی وسیع رحمت اور بندوں کے ساتھ اس کی خصوصی عنایات کی علامت ہیں۔ اسی بنا پر عہدِ رسالت مآب ﷺ کے ساتھ ساتھ خلافتِ راشدہ میں بھی عمر رسیدہ افراد کے حقوق کو خصوصی اہمیت دی گئی۔ جو افراد محنت و مشقت کے قابل نہ رہتے، ان کے لیے وظائف مقرر کیے جاتے، اور معاشرے کے غیر مسلم معمر افراد کی کفالت بھی ریاستی ذمہ داری سمجھی جاتی تھی۔

عہدِ فاروقی اس کی روشن مثال پیش کرتا ہے، جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک نابینا بوڑھے کو بھیک مانگتے دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ جزیہ اور معاشی مجبوریوں کی وجہ سے محتاج ہو چکا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی کفالت فرمائی، اسے بیت المال سے مدد دی اور ذمہ داران کو ہدایت کی کہ ایسے تمام حاجت مندوں کی باقاعدہ تحقیق کی جائے۔ آپ کا یہ اصولی مؤقف تھا کہ جوانی میں ان سے فائدہ اٹھایا گیا تو بڑھاپے میں انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ ان جیسے افراد کے لیے بیت المال سے وظائف جاری کیے گئے اور جزیہ بھی معاف کر دیا گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس طرزِ عمل کو ہم کثرت سے بیان کرتے ہیں، لیکن موجودہ دور میں عملی صورتحال اس کے برعکس دکھائی دیتی ہے۔ خصوصاً پاکستان جیسے ملک میں صحت اور فلاحی شعبے پر محدود وسائل خرچ کیے جاتے ہیں، جس کا سب سے زیادہ اثر بزرگ شہریوں پر پڑتا ہے، اور ان کی ضروریات اکثر نظر انداز ہو جاتی ہیں۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ایک اسلامی اصولوں کے دعویدار معاشرے میں ہر شہری کو حقوق دینے کی ضمانت تو موجود ہے، مگر عملی طور پر ان حقوق کی ادائیگی کمزور ہے۔ خصوصاً معمر افراد کی حالت تشویشناک ہے، جو اکثر بے سہارا زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ یہ صورتحال اس امر کی متقاضی ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بزرگوں کی فلاح و بہبود کو عملی اور مؤثر نظام کے ذریعے یقینی بنایا جائے۔

آج کے دور میں نوجوان نسل کی دینی و اخلاقی تربیت کے لیے اسلامی تعلیمات اور سیرتِ نبوی ﷺ کی عملی مثالوں سے رہنمائی ناگزیر ہے، تاکہ وہ معمر افراد کے احترام، نرم خوئی اور حسنِ سلوک کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔ انہیں چاہیے کہ بزرگوں کے حقوق کی ادائیگی میں دلجمعی سے حصہ لیں اور ان کی ضروریات کا خیال رکھیں۔

چونکہ بڑھاپے میں طبیعت میں کچھ سختی یا چڑچڑاپن پیدا ہونا فطری امر ہے، اس لیے نوجوانوں کو برداشت، صبر اور درگزر کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ اگر یہ اخلاقی اصول اختیار کر لیے جائیں تو گھر اور معاشرہ امن، محبت اور باہمی احترام کا خوبصورت نمونہ بن سکتا ہے۔

عورتوں کے ساتھ نرمی و حسن سلوک اور سیرت نبوی ﷺ

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لیے "نبیِ رحمت" بنا کر مبعوث فرمایا، اور آپ ﷺ کی رحمت خواتین کے لیے بھی خاص طور پر شامل تھی، جنہیں ان کی نزاکت کے پیشِ نظر آبگینہ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے عورتوں کے احترام، حقوق اور فطری نزاکت کو خصوصی اہمیت دی اور ایسی تعلیمات عطا فرمائیں جو ان کی فطرت کے مطابق ہوں، تاکہ وہ عزت و وقار کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

موجودہ دور کا ایک افسوسناک پہلو یہ ہے کہ عورت کے اصل مقام یعنی گھر کی عزت و وقار کے بجائے اسے مختلف معاشرتی اور تجارتی مقاصد کے لیے استعمال کیا جانے لگا ہے۔ اسلام نے پردے کا حکم عورت کی عزت، تحفظ اور وقار کے لیے دیا ہے، تاکہ وہ غیر ضروری مشقت اور استحصال سے محفوظ رہے اور اپنی گھریلو و معاشرتی ذمہ داریاں باوقار انداز میں ادا کر سکے۔ یہ تعلیم عورت کی فطری حرمت اور عظمت کو قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔

بیویوں کے ساتھ حسن سلوک اور سیرت نبوی ﷺ

رسولِ اکرم ﷺ کا اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ تعلق بے حد محبت، انسیت اور خوش اخلاقی پر مبنی تھا، جس کی متعدد مثالیں سیرت میں ملتی ہیں۔

ایک موقع پر آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کب راضی ہوتی ہیں اور کب ناراض۔ حضرت عائشہؓ نے تعجب سے دریافت کیا کہ یہ کیفیت کیسے معلوم ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے اندازِ گفتگو سے یہ فرق ظاہر ہوتا ہے؛ جب وہ خوش ہوتی ہیں تو آپ ﷺ کے رب کی قسم کھاتی ہیں، اور جب ناراض ہوتی ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رب کی قسم کا ذکر کرتی ہیں، اور اس وقت آپ ﷺ کا نام ترک کر دیتی ہیں۔

یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آئندہ وہ ہر حال میں آپ ﷺ ہی کا نام لیں گی۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنِّي لَأَعْرِفُ غَضَبَكِ وَرِضَاكِ» قَالَتْ: قُلْتُ: وَكَيْفَ تَعْرِفُ ذَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ ....قَالَتْ: قُلْتُ: أَجَلْ، لَسْتُ أُهَاجِرُ إِلَّا اسْمَكَ[34]

یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے اپنے ازواج کے ساتھ محبت بھرے اور گہرے تعلق کی خوبصورت مثال ہے، جو نہ صرف ہمدردی بلکہ ایک دوسرے کے جذبات کو سمجھنے کا عملی مظاہرہ بھی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّهَا كَانَتْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ قَالَتْ: فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقْتُهُ عَلَى رِجْلَيَّ، فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ سَابَقْتُهُ فَسَبَقَنِي فَقَالَ: «هَذِهِ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ»[35]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ ایک سفر کے دوران وہ رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ تھیں، اور اس موقع پر دونوں کے درمیان دوڑ کا مقابلہ ہوا جس میں حضرت عائشہؓ آگے نکل گئیں۔ کچھ عرصہ بعد جب ان کے جسمانی طور پر نسبتاً بھاری ہونے کا دور آیا تو دوبارہ دوڑ کا مقابلہ ہوا، اس بار رسولِ اکرم ﷺ جیت گئے۔ آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ پہلی جیت کا بدلہ ہے۔

یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے ازواجِ مطہرات کے ساتھ محبت، خوش طبعی اور دوستانہ برتاؤ کی ایک روشن مثال ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ گھریلو زندگی میں بھی نہایت خوش مزاج، نرم دل اور دلجوئی کرنے والے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک موقع پر رسولِ اکرم ﷺ ان کے حجرے کے دروازے پر تشریف لائے اور وہاں کھڑے رہے، جبکہ حبشی نوجوان مسجد میں اپنے نیزوں کے ساتھ کھیل پیش کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی چادر سے حضرت عائشہؓ کو اوٹ دی تاکہ وہ آرام سے ان کا کھیل دیکھ سکیں، اور اس وقت تک وہیں تشریف فرما رہے جب تک وہ خود واپس نہ ہو گئیں۔

اس واقعے سے نبی کریم ﷺ کے حسنِ اخلاق، شفقت اور ازواجِ مطہرات کے جذبات و دلچسپیوں کا کتنا لطیف خیال رکھنے کا اندازہ ہوتا ہے، خصوصاً نوجوانی کے فطری رجحانات اور دل چسپیوں کا احترام بھی اس میں نمایاں ہے۔

قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: «وَاللهِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ عَلَى بَابِ حُجْرَتِي، وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ بِحِرَابِهِمْ، فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَسْتُرُنِي بِرِدَائِهِ، لِكَيْ أَنْظُرَ إِلَى لَعِبِهِمْ، ثُمَّ يَقُومُ مِنْ أَجْلِي، حَتَّى أَكُونَ أَنَا الَّتِي أَنْصَرِفُ، فَاقْدِرُوا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيثَةِ السِّنِّ، حَرِيصَةً عَلَى اللهْوِ[36]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ نکاح اور رخصتی کے بعد بھی وہ رسولِ اکرم ﷺ کے ہمراہ رہتے ہوئے گڑیوں سے کھیلتی تھیں، اور ان کی ہم عمر چند سہیلیاں بھی ان کے ساتھ شریک ہوتی تھیں۔

جب رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لاتے تو وہ سہیلیاں آپ ﷺ کی ہیبت و احترام کے باعث کھیل چھوڑ کر الگ ہو جاتیں، لیکن آپ ﷺ انہیں دوبارہ حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیتے تاکہ وہ اپنا کھیل جاری رکھ سکیں۔

یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے نہایت نرم مزاج، شفیق اور گھریلو زندگی میں ازواجِ مطہرات کے جذبات اور فطری دلچسپیوں کا احترام کرنے والے اسلوب کی واضح مثال ہے۔

عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: كُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ لِي صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِي، «فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ يَتَقَمَّعْنَ مِنْهُ، فَيُسَرِّبُهُنَّ إِلَيَّ فَيَلْعَبْنَ مَعِي [37]

رسولِ اکرم ﷺ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ نہایت تعاون، خدمت اور حسنِ سلوک کا برتاؤ فرماتے تھے، اور گھر کے کاموں میں بھی شریک ہوتے تھے، جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت سے رہنمائی ملتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال بھی اس ضمن میں ذکر کی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے اہلِ خانہ کی ضرورت کے وقت ان کی خدمت اور کفالت کا خیال رکھا۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کی مبارک سنت یہ تھی کہ آپ ﷺ اپنے گھر والوں کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتے، ان کی ضروریات کا خیال رکھتے، اور جب نماز کا وقت آتا تو تمام دنیاوی مشاغل ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ یہ اسوۂ حسنہ دین و دنیا کے درمیان بہترین توازن اور اعلیٰ اخلاقی رہنمائی کی روشن مثال ہے۔

عَنِ الأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ: أَيُّ شَيْءٍ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ؟ قَالَتْ: كَانَ يَكُونَ فِي مَهْنَةِ أَهْلِهِ فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلاَةُ قَامَ فَصَلَّى[38].

رسولِ اکرم ﷺ نے عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی نہ صرف تلقین فرمائی بلکہ ان کی فطری طبیعت اور مزاجی تبدیلیوں کے پیشِ نظر صبر، برداشت اور درگزر کی بھی تعلیم دی۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ کوئی مومن مرد کسی مومن عورت سے محض اس وجہ سے نفرت نہ کرے کہ اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ محسوس ہو، کیونکہ اگر اس کی ایک عادت ناگوار ہو تو ممکن ہے اس کی کوئی دوسری خوبی پسند آجائے۔

یہ تعلیم اس بات کی رہنمائی کرتی ہے کہ ازدواجی اور معاشرتی تعلقات میں برداشت، مثبت رویہ اور خوبیوں کو دیکھنے کا رجحان اختیار کیا جائے، تاکہ تعلقات مضبوط اور خوشگوار رہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ» أَوْ قَالَ: «غَيْرَهُ»[39]

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے عورتوں کے ساتھ نہایت شفقت، رحمت اور رعایت کا معاملہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے ان کی فطری نزاکت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حسنِ سلوک، نرمی اور آسانی کی تعلیم دی اور ان پر غیر ضروری سختی یا بوجھ ڈالنے سے منع فرمایا۔

آپ ﷺ نے عورت کو اس معاشرتی مقام سے بلند کیا جس میں وہ ذلت و محرومی کا شکار تھی، اور اسے عزت و وقار عطا فرمایا۔ ماں، بیٹی، بیوی اور دیگر رشتوں میں ان کے حقوق متعین کیے اور ان کی تکریم کو لازم قرار دیا۔

اسی طرح عورت کی کفالت، پرورش اور اس کے حقوق کی ادائیگی کو باعثِ اجر قرار دیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ صنفِ نازک کے لیے محبت، احترام اور تحفظ پر مبنی ایک کامل نظامِ زندگی فراہم کرتا ہے۔

نتائج البحث:

1. حقوق و فرائض کی متوازن ادائیگی: اسلامی اصول زندگی میں حقوق اور فرائض کی مکمل وضاحت موجود ہے، اور نبی کریم ﷺ کی زندگی میں یہ توازن مثالی طور پر نظر آتا ہے۔ جب ہر فرد اپنے ذمہ واجب دوسرے کا حق ادا کرے تو معاشرتی ہم آہنگی ممکن ہو جاتی ہے۔
2. بچوں کے ساتھ خصوصی شفقت: بچوں کی جسمانی، جذباتی اور روحانی پرورش میں نرمی اور محبت کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے نہ صرف اپنے بلکہ دوسرے اور غیر مسلم بچوں کے ساتھ بھی شفقت اور پیار کی عملی مثالیں قائم کیں۔
3. بزرگوں کا احترام: عمر رسیدہ افراد کے ساتھ عزت، نرمی اور خدمت کا جذبہ سیرتِ نبوی ﷺ کا اہم پہلو ہے، جس کی بنیاد پر معمر افراد کو معاشرتی تکریم اور سہارا فراہم کیا جانا چاہیے۔
4. عورتوں کے حقوق کی حفاظت: نبی کریم ﷺ نے عورت کو معاشرتی وقار، مساوی حقوق اور نرمی سے برتاؤ کا عملی نمونہ فراہم کیا۔ ان کے حقوق کا تحفظ، محبت اور احترام کے بغیر معاشرتی توازن ممکن نہیں۔

5. مزاح میں شریعت کی پابندی : نبی کریم ﷺ نے خوش طبعی کے ذریعے انسانی جذبات کا خیال رکھا، مگر مزاح میں جھوٹ، دھوکہ یا کسی کی دل آزاری سے منع کیا تاکہ سماجی تعلقات محفوظ رہیں۔
6. بین المذاہب تعلقات میں نرمی : نبی کریم ﷺ نے غیر مسلموں کے بچوں اور بڑوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کیا، جو بین المذاہب ہم آہنگی کے قیام کے لیے ایک واضح پیغام ہے۔
7. اجتماعی حقوق کی اہمیت : انفرادی سطح پر حقوق کی ادائیگی کے ذریعے پورے معاشرے کے اجتماعی حقوق محفوظ کیے جاسکتے ہیں، جس سے افراد کے درمیان تنازعات کا خاتمہ اور امن کا قیام ممکن ہو جاتا ہے۔

تجاویز:

1. خاندانی نظام کی بحالی : خاندانی تعلقات میں سیرتِ نبوی ﷺ کے اصولوں کے مطابق نرمی، محبت اور انصاف کو فروغ دیا جائے تاکہ گھریلو جھگڑوں اور مسائل کا خاتمہ ہو سکے۔
2. تعلیمی نصاب میں شامل کرنا : بچوں کی اخلاقی تربیت اور بزرگوں کے احترام کو تعلیمی نصاب کا لازمی حصہ بنایا جائے تاکہ نئی نسل ان اقدار کو اپنائے۔
3. عورتوں کے حقوق کے حوالے سے آگاہی : عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک، ان کے حقوق کی پاسداری، اور ان کے معاشرتی کردار کے بارے میں آگاہی فراہم کرنے کے لیے ورکشاپس اور سیمینارز منعقد کیے جائیں۔
1. مزاح اور گفتگو میں شائستگی : مزاح اور خوش طبعی کے دوران شریعت کی حد بندیوں کو مد نظر رکھنے کی شعوری مہم چلائی جائے تاکہ معاشرتی تعلقات خوشگوار اور مثبت رہیں۔

حواشی وحوالہ جات

---

[1] ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق بن محمد، الایمان لابن مندہ، مؤسسۃ الرسالہ – بیروت، ج:1، ص:219

[2] الإسراء:23

[3] التحریم:6

[4] الانعام، 141

[5] المعارج، 24

[6] احمد بن محمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، مؤسسۃ الرسالہ الطبعۃ: الأولى، 1421ھ – 2001م، جزء 45، ص 613، حدیث نمبر 27647

[7] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، الطبعۃ: الأولى، 1422ھ ج:8، ص:7

[8] ایضًا

[9] ایضًا

[10] مسلم بن حجاج، المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول اللہ صلى اللہ علیہ وسلم، دار إحیاء التراث العربی – بیروت، ج:1، ص:237

[11] ابوداود سلیمان بن الاشعث، سنن أبي داود، المكتبة العصرية، صيدا–بيروت، ج:1، ص:102

[12] طحاوی، ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ، شرح معانی الآثار، عالم الکتب، الطبعة: الأولى–1414ھ، 1994م ج:1، ص:94

[13] صحیح بخاری، ج:1، ص:123

[14] ترمذی، محمد بن عیسی بن سَوْرة، سنن الترمذی، دار الغرب الاسلامی–بیروت، سنة النشر:1998م، ج:1، ص:435

[15] صحیح بخاری، ج:3، ص:112

[16] ایضًا، ج:2، ص:94

[17] سنن ابی داود، ج:4، ص:338

[18] سنن الترمذی، ج:1، ص:357

[19] ایضًا

[20] مسند الامام احمد بن حنبل، ج:20، ص:91

[21] سنن الترمذی، ج:3، ص:426

[22] صحیح مسلم، ج:4، ص:1805

[23] ابن ماجہ، ابوعبدالله محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، دار احیاء الکتب العربیہ–فیصل عیسی البابی الحلبی، ج:2، ص:955

[24] سنن ابی داود، ج:4، ص:301

[25] سنن ابی داود، کتاب الادب، رقم الحدیث:4990

ابو محمد عبدالله بن عبدالرحمن بن فضل، سنن الدارمی، دار المغنی للنشر والتوزیع، المملکة العربیہ السعودیہ، الطبعة: الأولى، 1412ھ–2000م

[26] سنن ابی داود، ج:4، ص:300

[27] یس:34

[28] سنن الترمذی، دار الغرب الاسلامی، بیروت، ج:3، ص:440

[29] ابن البیع، ابوعبدالله الحاکم محمد بن عبدالله بن محمد، المستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیہ–بیروت، الطبعة: الأولى، 1411، ج:3، ص:48

[30] ایضًا، ج:3، ص:347

[31] صحیح بخاری،، ج:1، ص:30

[32] ایضًا، ج:8، ص:34

[33] مسند الامام احمد بن حنبل، ج:9، ص:446

[34] صحیح بخاری، ج:8، ص:21

[35] ایضًا، ج:3، ص:29

[36] ایضًا، ج:2، ص:609

[37] صحیح بخاری، ج:8، ص:31

[38] سنن ترمذی، ج:4، ص:235

[39] صحیح مسلم، ج:2، ص:1091